ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1962

Program: BS Islamic Studies (Spec. Qur'an & Tafsir)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس :تفسیری ادب میں منتخب نصوص کا مطالعہ • (1962) 2 سطح :بی ایس علوم اسلامیہ) تخصص قرآن و تفسیر(

سمیسٹر :خزاں2026

امتحانی مشق نمبر 1 یونٹ 1 :تا(5

کل نمبر • 100 :کامیابی کے نمبر50 :

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

)مطالعہ و حوالہ کے لیے(

نوٹ :یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ نصابی کتاب کے متعلقہ یونٹس پڑھیں، مفاہیم کو سمجھیں اور پھر جواب اپنے الفاظ میں لکھیں۔

USMAN NOTES www.usmannotes.com

سوال نمبر :1 سورۂ رحمٰن کی روشنی میں انسانی تخلیق کے عجائب اور آیتِ» فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ «کے تکرار کی حکمتیں 20) نمبر(

سوال نمبر1 ۔ سورہ الرحمن کی روشنی میں انسانی تخلیق کے عجائب پر تفصیلی نوٹ قلمبند کریں۔ نیز آیت) فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ (کے تکرار کی حکمتیں تحریر کریں۔(20)

تعارف

سورۂ رحمٰن قرآن مجید کی پچپنویں سورت ہے، یہ مدنی سورت ہے اور اس کی اٹھتر آیات ہیں۔ اس سورت کو» قرآن کی دلہن) «عروس القرآن (کہا جاتا ہے، کیوں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بے شمار ظاہری و باطنی نعمتوں کا دلکش اور مؤثر انداز میں ذکر فرمایا ہے اور ہر چند آیات کے بعد وہ مشہور آیت دہرائی ہے» :فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ «یعنی» پس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ «سورت کا آغاز ہی صفتِ رحمت سے ہوتا ہے» :الرَّحْمٰنُ، عَلَّمَ الْقُرْآنَ، خَلَقَ الْإِنسَانَ، عَلَّمَهُ الْبَيَانَ«۔ اس ترتیب میں ایک گہری حکمت پوشیدہ ہے کہ انسان کی تخلیق سے پہلے قرآن کی تعلیم کا ذکر آیا، گویا انسان کی اصل عظمت اس کی مادی ساخت میں نہیں بلکہ اس علم اور ہدایت میں ہے جو اسے خالق کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ اس جواب میں پہلے سورۂ رحمٰن کی روشنی میں انسانی تخلیق کے عجائب بیان کیے جائیں گے اور پھر آیتِ مذکورہ کے تکرار کی حکمتیں تفصیل سے تحریر کی جائیں گی۔

انسانی تخلیق قرآن مجید کا مرکزی موضوعات میں سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ انسان کو اپنی پیدائش کے مراحل پر غور کی دعوت دی ہے تاکہ وہ اپنے خالق کو پہچانے اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرے۔ سورۂ رحمٰن میں یہ دعوتِ فکر نعمتوں کے تسلسل کے ساتھ اس طرح دی گئی ہے کہ پڑھنے والا ہر قدم پر حیرت اور شکر کے جذبات سے مملوء ہو جاتا ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سورت کا بنیادی مقصد توحید و رحمتِ الٰہی کا اثبات اور جن و انس دونوں کو ان کے رب کی نعمتوں کے سامنے جھکنے کی ترغیب دینا ہے، اسی لیے خطاب بھی دونوں مخلوقات سے ہے۔

انسان کی تخلیق :مٹی سے اشرف المخلوقات تک

سورۂ رحمٰن میں انسانی تخلیق کا ذکر یوں فرمایا گیا» :خَلَقَ الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ «یعنی» اس نے انسان کو بجنے والی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکرے کی طرح تھی«۔ صلصال اس خشک مٹی کو کہتے ہیں جو بجنے کی آواز دے، اور فخار پکی ہوئی مٹی یعنی ٹھیکرا ہے۔ اس ایک مختصر جملے میں انسان کی اصل کی طرف اشارہ ہے کہ اس کا مادی وجود ایک حقیر اور بے جان شے، یعنی مٹی سے بنا ہے۔ یہی حقیقت انسان کے غرور کو توڑتی ہے اور اسے عاجزی سکھاتی ہے کہ جس

مٹی سے وہ بنا ہے اسی میں اسے لوٹنا بھی ہے۔ مفسرین نے یہاں یہ نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اسی مٹی سے ہوئی اور پھر نسلِ انسانی نطفے کے ذریعے آگے بڑھی، چنانچہ مٹی تمام انسانوں کی اصلِ بعید ہے۔

تخلیق کے عجائب میں سب سے پہلا عجوبہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بے جان مٹی کو زندہ، سوچنے والا، بولنے والا اور اختیار رکھنے والا انسان بنا دیا۔ مٹی میں نہ حس ہے، نہ حرکت، نہ شعور؛ مگر اسی سے آنکھ جیسی نازک اور پیچیدہ صنعت بھی نکلی جو رنگوں کو دیکھتی ہے، کان بھی نکلا جو آوازوں کو سنتا ہے، زبان بھی نکلی جو ذائقے چکھتی اور کلام کرتی ہے، اور دماغ بھی نکلا جو کائنات کے اسرار پر غور کرتا ہے۔ یہ تبدیلی کسی اتفاق کا نتیجہ نہیں ہو سکتی، یہ ایک قادرِ مطلق، علیم و حکیم خالق کی کاریگری ہے۔ اسی لیے قرآن بار بار پوچھتا ہے کہ کیا انسان نے دیکھا نہیں کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا اور پھر اسے کس درجے تک پہنچایا گیا۔

دوسرا بڑا عجوبہ» بیان «کی تعلیم ہے» :عَلَّمَهُ الْبَيَانَ«۔ بیان سے مراد اپنے مافی الضمیر کو الفاظ کے ذریعے ظاہر کرنے کی وہ منفرد صلاحیت ہے جو انسان کو دیگر تمام مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے۔ حیوانات آوازیں نکالتے ہیں مگر وہ فکری تبادلہ، علم کی تحریری ترسیل، قانون سازی، شعر و ادب اور نسل در نسل تجربات کی منتقلی کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ انسان کو قلم عطا ہوا، زبان عطا ہوئی اور عقل عطا ہوئی، جن کے بل بوتے پر اس نے علوم و فنون کی عظیم دنیا آباد کی۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ بیان کی یہ نعمت اتنی بڑی ہے کہ اسی کے سبب وحی کا سلسلہ انسان تک پہنچا اور اسی کے ذریعے وہ اپنے رب سے ہم کلام ہونے کے لائق ہوا۔ یہ نکتہ غور طلب ہے کہ سورت میں تخلیقِ انسان کے فوراً بعد بیان کی تعلیم کا ذکر کر کے بتایا گیا کہ انسان کی فضیلت اس کے جسم میں نہیں، اس کے علم اور اظہار میں ہے۔

تیسرا عجوبہ انسان کے لیے کائنات کی تسخیر اور نظامِ میزان ہے۔ سورت میں فرمایا گیا» :الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ، وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ«، پھر» وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ«۔ سورج اور چاند ایک حساب سے چلتے ہیں، ستارے اور درخت سجدہ ریز ہیں، آسمان بلند کیا گیا اور میزان قائم کی گئی تاکہ انسان تول میں زیادتی نہ کرے۔ انسانی زندگی کا سارا نظام انہی آسمانی اجسام کی منظم حرکت سے بندھا ہے :دن رات کا آنا جانا، موسموں کی تبدیلی، فصلوں کا پکنا اور وقت کا حساب، سب انہی کی بدولت ہے۔ اگر اس میزان میں ذرا سی بھی خلل پڑ جائے تو زمین پر زندگی ناممکن ہو جائے۔ یہ عدل

و توازن انسان کے لیے محض طبعی سہولت نہیں بلکہ اخلاقی سبق بھی ہے کہ وہ اپنے معاملات میں بھی میزانِ عدل قائم رکھے۔

چوتھا عجوبہ زمین کی فراہمی اور اس کی نعمتیں ہیں» :وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ، فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ، وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ«۔ زمین انسان کے قدموں کے لیے بچھائی گئی، اس میں پھل ہیں، غلافوں والے کھجور کے درخت ہیں، بھوسے والا اناج ہے اور خوشبودار پودے ہیں۔ غور کیجیے کہ انسان کی غذا، اس کی خوشبو، اس کا لباس، اس کے جانوروں کا چارہ، سب کچھ اسی ایک زمین سے نکلتا ہے، حالانکہ انسان نے اس میں سے کچھ بھی خود پیدا نہیں کیا۔ سمندروں کے سفیروں، موتی اور مرجان، اور چلنے والی کشتیوں کا ذکر بھی اسی سلسلے میں ہے کہ خشک و تر کی ہر نعمت انسانی خدمت میں لگا دی گئی ہے۔ یہ سب عجائبِ قدرت اس بات کا اعلان ہیں کہ انسان محض مٹی کا پتلا نہیں، بلکہ اس کائنات کا مرکزِ توجہ اور خلیفۂ ارضی ہے، بشرطیکہ وہ اپنے مقام کو پہچانے۔

تکرارِ آیت کی حکمتیں

اب دوسرے حصے کی طرف آئیے۔» فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ «یہ آیت سورۂ رحمٰن میں اکتیس مرتبہ آئی ہے۔ عرب ادب میں تکرار بے مقصد نہیں ہوتی، مفسرین نے اس تکرار کی متعدد حکمتیں بیان کی ہیں۔ پہلی حکمت تاکید اور تقریر ہے۔ جب کوئی بات بار بار کہی جائے تو وہ دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نعمت کے ذکر کے بعد یہ سوال دہرایا تاکہ سننے والا ہر نعمت کو الگ الگ محسوس کرے اور اس کا انکار اس کے لیے ناممکن ہو جائے۔ جیسے کوئی محسن اپنے احسانات گنواتے ہوئے ہر احسان پر کہے کہ» اب بھی تم انکار کرو گے؟ «تو مخاطب کے پاس سر جھکانے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ یہ اسلوبِ تقریر عربی بلاغت کی شان ہے اور قرآن اس کی اعلیٰ ترین مثال پیش کرتا ہے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ یہ خطاب جن و انس دونوں سے ہے۔» رَبِّكُمَا «میں تثنیہ کا صیغہ اسی لیے ہے کہ سوال دونوں مخلوقات سے ہے۔ جنات بھی اللہ کی نعمتوں کے مکلف ہیں اور انسان بھی، اس لیے ہر نعمت پر دونوں کو مشترکہ طور پر مخاطب کیا گیا۔ روایات میں آتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے یہ سورت صحابہ کے سامنے تلاوت فرمائی تو وہ خاموش رہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنات کا جواب تم سے بہتر تھا، وہ ہر آیت پر کہتے تھے» :ہم اپنے رب کی کسی نعمت کو نہیں

جھٹلاؤ، اے ہمارے رب !تیری ہی تعریف ہے«۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکرار کا مقصد مخاطب سے عملی جواب لینا ہے، محض اطلاع دینا نہیں۔

تیسری حکمت نعمتوں کی انفرادیت کو نمایاں کرنا ہے۔ اگر تمام نعمتوں کے آخر میں صرف ایک بار یہ سوال آتا تو ذہن ان نعمتوں کو یکجا سمجھ کر آگے بڑھ جاتا۔ مگر ہر نعمت کے بعد سوال کا آنا ہر نعمت کو مستقل شکر کا مستحق بنا دیتا ہے۔ چوتھی حکمت تذکیر و تنبیہ ہے :انسان بھولنے والا ہے، قدم قدم پر یاد دہانی اس کی غفلت دور کرتی ہے۔ پانچویں حکمت سورت کی موسیقی اور فصاحت سے متعلق ہے؛ یہ آیت ہر بند کے آخر میں ایک قافیے اور وقف کی طرح آتی ہے جس سے سورت کی روانی، حسنِ ترتیب اور اثرانگیزی میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ چھٹی حکمت یہ بیان کی گئی کہ بعض عقائد، بعض نعمتوں اور بعض وعیدوں کے ساتھ اس کا آنا موضوع کے بدلنے کی علامت بھی ہے، گویا یہ آیت ابواب کی فاصل ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ تکرار کی تعداد اور مختلف مواقع پر اس آیت کا آنا اس بات کا اشارہ ہے کہ نعمتوں کی اقسام بھی مختلف ہیں :دنیوی نعمتیں، اخروی نعمتیں؛ ظاہری نعمتیں اور باطنی نعمتیں، اور ہر قسم پر الگ سوال بنتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ سورۂ رحمٰن میں انسانی تخلیق کے عجائب، مٹی سے پیدائش، بیان کی تعلیم، سماعت و بصارت، کائنات کا میزان اور زمین و سمندر کی نعمتوں کی صورت میں اس خوبصورتی سے بیان ہوئے ہیں کہ انسان اپنے خالق کی قدرت اور رحمت دونوں کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور آیتِ» فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ «کا اکتیس مرتبہ تکرار تاکید، تذکیر، تقریر، دونوں مخلوقات سے مشترکہ خطاب اور ہر نعمت پر الگ الگ شکر کے مطالبے کی حکمتوں پر مبنی ہے۔ طالب علم کے لیے اس سورت کا اصل پیغام یہی ہے کہ وہ اپنے گردوپیش کی ہر نعمت کو خالق کی عطا سمجھے، اس پر غور کرے، زبان و عمل سے اس کا شکر ادا کرے اور تکذیب و ناشکری کے رویے سے بچے، کیوں کہ نعمت کا انکار ہی کفران کی پہلی سیڑھی ہے۔

سوال نمبر :2 سورۂ لَہَب کا تفسیر المراغی کی روشنی میں لفظی اور بامحاورہ ترجمہ

20)نمبر(

سوال نمبر2 ۔ سورہ اللھب کا تفسیر المراغی کی روشنی میں لفظی اور بامحاورہ ترجمہ کیجئے۔(20)

تعارف

سورۂ لہب قرآن مجید کی ایک سو گیارہویں سورت ہے، اسے سورۂ مسد اور سورۂ تبت بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مکی سورت ہے اور اس کی پانچ آیات ہیں۔» تفسیر المراغی «مصر کے مشہور عالم شیخ احمد مصطفیٰ المراغی) وفات1371 ھ (کی تالیف ہے جو جدید عربی تفاسیر میں سلیس، مدلل اور ادبی انداز کی وجہ سے ممتاز مقام رکھتی ہے۔ المراغی کا اسلوب یہ ہے کہ وہ پہلے الفاظ کے لغوی معنی واضح کرتے ہیں، پھر جملوں کی ترکیب اور مفہوم بیان کرتے ہیں اور آخر میں آیات کے اجمالی مقصد اور اس سے حاصل ہونے والے سبق کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ اس جواب میں المراغی کے اسی اسلوب کے مطابق پہلے سورۂ لہب کا لفظی ترجمہ پیش کیا جائے گا، پھر بامحاورہ ترجمہ، اور آخر میں المراغی کی روشنی میں چند اہم تفسیری نکات بیان کیے جائیں گے۔

اس سورت کا پس منظر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا عبد العزّیٰ بن عبد المطلب، جو» ابو لہب «کے نام سے مشہور تھا، اور اس کی بیوی ارویٰ بنتِ حرب) ام جمیل(، جو ابو سفیان کی بہن تھی، اسلام اور نبی کریم ﷺ کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھے۔ جب سورۂ شعراء کی آیت» وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ «نازل ہوئی اور نبی کریم ﷺ نے کوہِ صفا پر قریش کو دعوت دی تو ابو لہب نے بدتمیزی کرتے ہوئے کہا» :تَبًّا لَكَ !أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا؟ «یعنی» تو ہلاک ہو، کیا تو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا؟ «اسی پر یہ سورت نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے اس کے اور اس کی بیوی کے برے انجام کی پیش گوئی فرمائی، اور یہ پیش گوئی اس طرح سچ ثابت ہوئی کہ ابو لہب غزوۂ بدر کے چند دن بعد انتہائی ذلت کی موت مرا اور کبھی ایمان نہ لایا۔ یہ سورت اس لحاظ سے قرآن کے اعجاز کی زندہ مثال بھی ہے۔

لفظی ترجمہ

لفظی ترجمے میں ہر عربی لفظ کا اردو مفہوم الگ الگ بیان کیا جاتا ہے تاکہ ترکیب کی سمجھ آ سکے۔ ذیل کی جدول میں المراغی کی لغوی تشریح کی روشنی میں آیات کا لفظی ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

»تَبَّتْ «کے معنی ہیں :ہلاک ہوئیں، حسارے میں پڑیں۔» يَدَا «ہاتھوں کو کہتے ہیں، مگر عرب محاورے میں» ید «سے مراد پورا شخص یا اس کا عمل بھی ہوتا ہے۔» أَبِي لَهَبٍ «ابو لہب یعنی نبی کریم ﷺ کا چچا عبد العزّیٰ۔» وَتَبَّ «اور وہ خود بھی ہلاک ہوا۔ مفسر المراغی لکھتے ہیں کہ پہلا جملہ اس کے اعمال کی ہلاکت اور بربادی کی خبر ہے اور دوسرا جملہ اس کی ذات کی ہلاکت کا اعلان، یوں دعا اور خبر دونوں معنی نکلتے ہیں۔» مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ «اس کا مال اس کے کسی کام نہ آیا،» وَمَا كَسَبَ «اور نہ وہ کچھ جو اس نے کمایا، یعنی اولاد اور جاہ و منصب۔ المراغی کے نزدیک» ما کسب «سے اولاد بھی مراد لی جا سکتی ہے کیوں کہ حدیث میں اولاد کو انسان کی کمائی کہا گیا ہے۔» سَيَصْلَىٰ «عنقریب وہ داخل ہوگا،» نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ «شعلہ زن آگ میں۔ یہاں ابو لہب کے نام کے ساتھ» لہب «یعنی شعلے کی مناسبت بھی قابل غور ہے کہ جس کی کنیت ہی لہب تھی اس کا ٹھکانا بھی شعلوں والی آگ ہوا۔

»وَامْرَأَتُهُ «اور اس کی بیوی بھی) اسی آگ میں داخل ہوگی(،» حَمَّالَةَ الْحَطَبِ «لکڑیاں اٹھانے والی۔» فِي جِيدِهَا «اس کی گردن میں،» حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ «مضبوط بٹی ہوئی رسی ہے، مسد اس رسی کو کہتے ہیں جو کھجور کے ریشوں یا اسی طرح کے سخت مواد سے بٹی گئی ہو۔ المراغی لکھتے ہیں کہ» حمالة الحطب «کے دو پہلو ہیں :ایک حقیقی، کہ ام جمیل کانٹوں دار لکڑیاں اٹھا کر نبی کریم ﷺ کے راستے میں بچھاتی تھی؛ دوسرا مجازی، کہ وہ چغلی اور فتنہ انگیزی کی لکڑیاں اٹھائی پھرتی تھی، کیوں کہ عربی میں چغلی کو لوگوں کے درمیان آگ لگانے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہی دوہرا مفہوم المراغی کی تشریح کی خوبی ہے۔

جدول :سورۂ لہب کا آیت وار لفظی ترجمہ

آیت	عربی متن	لفظی ترجمہ
1	تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ	ہلاک ہوئیں دونوں ہاتھ ابو لہب کے،

اور وہ) خود بھی (ہلاک ہوا		
نہ کام آیا اس کے، اس کا مال اور نہ جو اس نے کمایا	مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ	2
عنقریب وہ داخل ہوگا آگ میں، شعلوں والی	سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ	3
اور اس کی بیوی) بھی(، لکڑیاں اٹھانے والی	امْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ	4
اس کی گردن میں رسی ہے، مضبوط بٹی ہوئی) کھجور کے ریشوں کی(	فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ	5

بامحاورہ ترجمہ

بامحاورہ ترجمے میں الفاظ کی بجائے پورے جملے کا رواں اور فطری اردو مفہوم پیش کیا جاتا ہے۔ المراغی کے بیان کردہ مفہوم کی روشنی میں سورۂ لہب کا بامحاورہ ترجمہ یہ ہے» :ابو لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں) وہ ہلاک ہو (اور وہ خود بھی ہلاک ہو گیا۔ اس کا مال اور اس کی کمائی) اولاد و جاہ (اس کے کچھ کام نہ آئی۔ وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی شعلہ زن آگ میں جا پڑے گا۔ اور اس کی بیوی بھی جو) فتنے کی (لکڑیاں ڈھوتی پھرتی ہے، اس کی گردن میں مضبوط بٹی ہوئی رسی ہوگی«۔

اس ترجمے کو آیت وار بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ پہلی آیت میں ابو لہب کی ہلاکت کا حتمی اعلان ہے کہ اس کی تمام تدبیریں، جنہیں وہ اپنے ہاتھوں سے اسلام کے خلاف بروئے کار لاتا تھا، برباد ہو گئیں اور وہ خود بھی تباہی کا شکار ہوا۔ دوسری آیت میں اس غلط فہمی کا رد ہے کہ مال و اولاد انسان کو اللہ کے عذاب سے بچا سکتے ہیں؛ ابو لہب مالدار اور صاحبِ اولاد تھا، قوم میں اس کا رعب بھی تھا، مگر ایمان کے بغیر یہ سب اس کے کام نہ آیا۔ تیسری آیت میں اس کے اخروی انجام کی خبر ہے کہ وہ جلد شعلوں والی آگ میں داخل ہوگا۔ چوتھی آیت میں اس کی بیوی ام جمیل کو اس کے جرم میں شریک قرار دیا گیا ہے کہ وہ بھی لکڑیاں ڈھونے والی یعنی فتنہ پھیلانے والی ہے، اور پانچویں آیت میں اس کی ذلت

کی تصویر کشی ہے کہ دنیا میں وہ سونے کے گلوبند پر فخر کرتی تھی، آخرت میں اس کے گلے میں آگ کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔

المراغی اس مقام پر یہ نکتہ بھی بیان کرتے ہیں کہ سورت میں ابو لہب کا نام لینے کے بجائے اس کی کنیت» ابو لہب «سے ذکر کیا گیا، کیوں کہ اس کا اصل نام عبد العزیٰ تھا جس کے معنی» عزّیٰ) بت (کا بندہ «ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اس شرکیہ نام سے ذکر کرنا پسند نہ فرمایا۔ دوسری وجہ یہ کہ کنیت ہی سے وہ مشہور تھا، اور تیسری وجہ» لہب «اور جہنم کے شعلوں کے درمیان لفظی مناسبت ہے۔ یہ لطیف نکات المراغی کی تفسیر کی ادبی حس کو ظاہر کرتے ہیں اور یہی انداز اس سوال کی اصل روح ہے کہ طالب علم لفظی درستگی کے ساتھ مفہوم کی بلاغت کو بھی سمجھے۔

مزید تفسیری نکات اور حاصلِ کلام

المراغی نے سورت کے ماحصل میں لکھا ہے کہ اس سورت کا پیغام یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھنے والا، خواہ وہ نسب کے لحاظ سے کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو، عزت کے بجائے ذلت پاتا ہے۔ ابو لہب نبی کریم ﷺ کا سگا چچا تھا، مگر قرابت داری ایمان کے بغیر اس کے کام نہ آئی، جبکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسے حبشی غلام کو ایمان نے بلندی عطا کر دی۔ یہ سبق ہر دور کے لیے ہے کہ معیارِ فضیلت نسب اور مال نہیں، ایمان اور عمل ہے۔ اسی طرح یہ سورت رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی دلیل بھی ہے، کیوں کہ اگر یہ کلام انسانی ہوتا تو کوئی انسان ہمت نہ کر سکتا کہ اپنے چچا کے بارے میں یہ پیش گوئی کرے کہ وہ کبھی ایمان نہیں لائے گا اور جہنم میں جائے گا، حالانکہ ابو لہب کے پاس اختیار تھا کہ ظاہری طور پر ایمان لا کر اس پیش گوئی کو جھٹلا دے، مگر وہ تاحیات کفر پر جمّا رہا۔

نتیجتاً سورۂ لہب کا لفظی ترجمہ ہمیں عربی الفاظ کی اصل سمجھ دیتا ہے اور بامحاورہ ترجمہ اس کے پورے مفہوم کو رواں انداز میں دل میں اتار دیتا ہے۔ تفسیر المراغی کی روشنی میں یہ ترجمہ محض زبان کی مشق نہیں رہتا بلکہ ایمان، دشمنیِ حق کے انجام اور اللہ کی قدرتِ کاملہ کا ایک مکمل درس بن جاتا ہے۔ طالب علم کو چاہیے کہ وہ ترجمے کے ساتھ ساتھ اس طرزِ تفسیر کو بھی اپنائے جس میں لغت، بلاغت اور مقصدیت تینوں کا توازن قائم رہے۔

سوال نمبر :3 سورۂ اخلاص کی فضیلت اور اس کے مضامین پر پرمغز نوٹ 20) نمبر(

سوال نمبر3 ۔ سورہ اخلاص کی فضیلت بیان کیجئے نیز اس کے مضامین پر پر مغز نوٹ لکھیں۔؟(20)

تعارف

سورۂ اخلاص قرآن مجید کی ایک سو بارہویں سورت ہے، اس کی چار آیات ہیں اور یہ مکی سورت ہے۔ اس کا نام »اخلاص «اس لیے رکھا گیا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی خالص توحید اس جامعیت سے بیان ہوئی ہے کہ شرک کی ہر صورت کی نفی ہو جاتی ہے، اور جو شخص اس مفہوم کو دل سے مان لے وہ شرک سے خالص نجات پاتا ہے۔ اس سورت کے دیگر نام بھی ہیں :سورۂ توحید، سورۂ صمد، سورۂ مقشقشہ اور سورۂ اساس، کیوں کہ دین کی بنیاد ہی توحید ہے اور یہ سورت اسی بنیاد کی مختصر ترین اور مکمل ترین دستاویز ہے۔ شانِ نزول میں مذکور ہے کہ مشرکینِ مکہ نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ ہمیں اپنے رب کا نسب نامہ بتاؤ، وہ کس چیز سے بنا ہے، اس کا کوئی والد ہے یا نہیں؛ بعض روایات میں یہود و نصاریٰ کے اسی نوعیت کے سوالات کا ذکر بھی ہے۔ اسی پر یہ سورت نازل ہوئی جس نے ذاتِ باری کے متعلق ہر غلط تصور کی جڑ کاٹ دی۔

سورۂ اخلاص کی فضیلت

احادیث میں اس سورت کی فضیلت غیر معمولی الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ سب سے مشہور فضیلت یہ ہے کہ یہ سورت اجر و ثواب میں ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے» قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ «کے بارے میں فرمایا کہ یہ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے) مسلم(۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے کسی کو یہ سورت بار بار پڑھتے سنا اور اسے معمولی سمجھا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا» :قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہ سورت ایک تہائی قرآن کے برابر ہے) «بخاری(۔ مفسرین اس مساوات کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن کے تین بنیادی مضامین ہیں :توحید و صفاتِ الٰہی، احکامِ شریعت، اور اخبار و قصص؛ سورۂ اخلاص پہلے اور سب سے بڑے مضمون یعنی خالص توحید پر محیط ہے، اس لیے اپنے موضوع کے

اعتبار سے ایک تہائی قرآن کے ہم پلہ ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسے پڑھنے سے تلاوتِ قرآن کا اصل مقصد ختم ہو جاتا ہے، بلکہ یہ اس کے موضوع کی عظمت کا بیان ہے۔

دوسری فضیلت یہ ہے کہ اس سورت سے محبت رکھنے والے کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا، وہ نماز میں قراءت کے آخر میں ہمیشہ سورۂ اخلاص پڑھتا تھا۔ واپسی پر ساتھیوں نے اس کا ذکر کیا تو اس نے کہا: «یہ رحمن کی صفت ہے، میں اسے پڑھنا پسند کرتا ہوں»۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «اسے خبر دو کہ اللہ بھی اس سے محبت کرتا ہے» (بخاری و مسلم)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ایک انصاری صحابی کا واقعہ ہے جو مسجد قباء میں ہر رکعت میں یہ سورت پڑھتا تھا اور وجہ یہی بیان کرتا تھا کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں؛ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «اس کی محبت نے تجھے جنت میں داخل کر دیا»۔ تیسری فضیلت یہ کہ یہ سورت معوذات کے ساتھ مل کر حفاظت کا ذریعہ ہے؛ نبی کریم ﷺ سونے سے پہلے دونوں ہتھیلیوں میں سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر دم فرماتے اور پورے جسم پر ہاتھ پھیرتے (بخاری)۔ صبح و شام تین تین مرتبہ ان تینوں سورتوں کا پڑھنا ہر چیز سے کفایت کرنے والا عمل قرار پایا ہے۔ اس کے علاوہ وتر اور سفر کی نمازوں میں اور جنازے کی دعاؤں میں بھی اس سورت کا اہتمام سنت سے ثابت ہے۔

سورۂ اخلاص کے مضامین

اب اس کے مضامین کا جائزہ لیجیے۔ پہلی آیت: «قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ» یعنی: «کہہ دیجیے: وہ اللہ ایک ہے»۔ «احد» کا لفظ عربی میں اس یکتائی کے لیے آتا ہے جس میں کسی شریک، جزو یا نظیر کا امکان ہی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں بھی ایک ہے، صفات میں بھی یکتا ہے اور افعال میں بھی۔ اس ایک لفظ نے وحدانیت کے تمام پہلو سمیٹ لیے اور ثنویت، تثلیث اور ہر قسم کی شرکیہ فکر کی نفی کر دی۔ دوسری آیت: «اللَّهُ الصَّمَدُ»۔ صمد کے معنی ہیں: وہ ذات جو بے نیاز ہو، سب اس کے محتاج ہوں، وہ سردار جو تمام حاجتوں میں رجوع کا مرکز ہو، اور وہ جو ٹھوس ہو جس کے اندر کوئی خلا نہ ہو۔ اس ایک لفظ میں اللہ کی استغنائے ذاتی اور مخلوق کی کامل احتیاج کا پورا فلسفہ موجود ہے: انسان کمزور ہے، ہر لمحہ اپنے خالق کا محتاج ہے، جبکہ اللہ کسی کا محتاج نہیں۔ جس دل میں یہ تصور بیٹھ جائے اس میں نہ کسی غیر اللہ کے سامنے جھکنے کی ذلت رہتی ہے اور نہ دنیوی طاقتوں کا خوف۔

تیسری آیت» :لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ «یعنی» نہ اس نے کسی کو جنا، نہ وہ جنا گیا«۔ اس آیت نے مشرکین کے اس عقیدے کی نفی کی کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، یہود کے اس قول کی کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں، اور نصاریٰ کے اس عقیدے کی کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں، سب کی تردید کر دی۔ اس کی منطقی وجہ بھی واضح ہے :جو جنا جائے وہ اپنی جنس سے ہوتا ہے، فنا ہونے والا ہوتا ہے اور وارث کا محتاج ہوتا ہے، جبکہ اللہ ازلی و ابدی اور ہر عیب سے پاک ہے۔ چوتھی آیت» :وَلَمْ یَکُن لَّهُ کُفُوًا أَحَدٌ «یعنی» اور اس کے برابر کا کوئی نہیں«۔ کفو کے معنی ہیں ہم پلہ، برابری کرنے والا۔ ذات میں، صفات میں، قدرت میں، علم میں، کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں؛ مشابہت اور مماثلت کی ہر صورت کی نفی کر دی گئی۔ یوں اس سورت نے توحید کے تینوں درجات مکمل کر دیے :ذات کی وحدت، صفات کی وحدت اور اختصاصِ عبادت کی بنیاد۔ محققین نے درست کہا ہے کہ تفسیر کی ضخیم کتابیں جو کچھ ذات و صفات کے باب میں بیان کرتی ہیں اس کا خلاصہ ان چار آیتوں میں آ گیا ہے، اور یہی اس سورت کے» پر مغز «ہونے کا مفہوم ہے۔ الفاظ کم، معنی بے کنار۔

اس سورت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اس نے جواب سوال کے انداز میں دیا۔ پوچھا گیا تھا رب کا نسب کیا ہے، جواب میں» نسب «کی بجائے صفات بیان کر دی گئیں، گویا بتا دیا گیا کہ اللہ کو نسب اور نسل کے انسانی پیمانوں سے نہیں پہچانا جاتا، اس کی پہچان اس کی وحدانیت، بے نیازی، ازلیت اور بے مثالیت ہے۔ یہ جوابی اسلوب خود ایک تعلیم ہے کہ ذاتِ باری کے بارے میں سوالات کے جوابات وحی کی روشنی میں صفات کے ذریعے دیے جاتے ہیں، انسانی قیاس و رائے سے نہیں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ سورۂ اخلاص اپنی مختصر ترین صورت میں قرآن کے سب سے عظیم مضمون یعنی خالص توحید کی مکمل دستاویز ہے۔ اس کی فضیلت کا راز بھی یہی ہے کہ ایمان کی بنیاد اسی سورت کے مفہوم پر قائم ہے، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے اسے تہائی قرآن فرمایا، اس کے محب کو محبتِ الٰہی اور جنت کی بشارت دی اور اپنی عملی زندگی میں اس کی تلاوت کا اہتمام فرمایا۔ مسلمان کو چاہیے کہ اس سورت کو صرف ثواب کی نیت سے نہ پڑھے بلکہ اس کے ایک ایک لفظ کا مفہوم سمجھ کر اپنی عقیدت اور عبادت کو شرک کی ہر آلائش سے خالص کرے، کیوں کہ سورت کا نام ہی» اخلاص «ہے اور اس کا تقاضا بھی اخلاص ہی ہے۔

سوال نمبر :4 سورۂ نجم کی آیات 16 تا 18 کے اہم مضامین — تفسیر ضیاء القرآن کی روشنی میں جامع نوٹ 20) نمبر(

سوال نمبر4 ۔ سورہ النجم کی آیت 16 تا 18 کے اہم مضامین کیا ہیں؟ تفسیر ضیاء القرآن کی روشنی میں جامع نوٹ تحریر کریں۔(20)

تعارف

سورۂ نجم قرآن مجید کی تریپنویں سورت ہے، یہ مکی سورت ہے اور اس کی باسٹھ آیات ہیں۔ اس سورت کا مرکزی مضمون وحی کی صداقت، نبی کریم ﷺ کی عصمت اور واقعۂ معراج و سدرۃ المنتہیٰ کا بیان ہے۔ زیر نظر تین آیات یعنی آیات 16 تا 18 واقعۂ معراج کی سب سے بلند منزل کا نقشہ کھینچتی ہیں۔ ان آیات کا متن یہ ہے» :إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ، مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ، لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ«۔ ترجمہ» :جب کہ سدرہ) بیری(کے درخت (پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔) سرکار ﷺ کی (نگاہ نہ ادھر ادھر ہٹی اور نہ حد سے بڑھی۔ بے شک انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں«۔» تفسیر ضیاء القرآن «پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ) وفات1998 ء (کی شہرۂ آفاق اردو تفسیر ہے جو اعتدال، تحقیق اور ادبی ذوق کا حسین امتزاج ہے۔ اس جواب میں انہی تین آیات کے مضامین ضیاء القرآن کی روشنی میں جامع انداز میں بیان کیے جائیں گے۔

سدرۃ المنتہیٰ اور آیت 16 کے مضامین

آیات 16 سے پہلے کی آیات میں یہ ذکر آ چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں ایک مرتبہ زمین پر) مقام» ذی طویٰ «کے قریب کی روایات کے مطابق غارِ حرا کے آس پاس (دیکھا تھا اور دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان پر) بعض روایات میں چھٹے آسمان کے اوپر (وہ مقام ہے جہاں مخلوق کے علم اور اعمال کی انتہا ہو جاتی ہے؛ اوپر سے جو احکام نازل ہوتے ہیں وہ یہاں تک آتے ہیں اور نیچے سے جو اعمال اوپر جاتے ہیں وہ یہاں تک پہنچتے ہیں، اس سے آگے فرشتے بھی نہیں جا سکتے۔ اس کے پاس» جنۃ الماویٰ «ہے جہاں

ارواح و شہداء کا ٹھکانا ہے۔ آیت 16 میں فرمایا گیا کہ اس سدرہ کو ایک عظیم شے نے ڈھانپ رکھا تھا جس کی کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی» :يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ«۔ ضیاء القرآن میں صاحبِ تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ ابہام خود عظمت کی دلیل ہے؛ جو چیز بیان سے باہر ہو اسے مبہم رکھنا ہی اس کی شان ہے۔ مفسرین کے اقوال نقل کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ سدرہ کو ڈھانپنے والی چیز انوارِ تجلیاتِ الٰہی، فرشتوں کی بے شمار جماعتیں اور سونے کے پروانے) فراش من ذہب (تھیں، چنانچہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کو سونے کے پروانوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ پیر کرم شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس مقام پر نبی کریم ﷺ پر وہ انوار و واردات نازل ہوئے جن کا احاطہ انسانی بیان کے لیے ممکن نہیں، اسی لیے قرآن نے» ما یغشیٰ «کہہ کر تجسس کو ادب کے درجے میں روک دیا۔

آیت :17 نگاہِ مصطفیٰ ﷺ کا ادب

آیت 17 ان تینوں آیات کا دل ہے» :مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ «یعنی سرکارِ دو عالم ﷺ کی نگاہ نہ اس کے دائیں بائیں بھٹکی اور نہ وہ مقررہ حد سے آگے بڑھی۔ ضیاء القرآن میں اس آیت کی لطیف تشریح کی گئی ہے کہ مشاہدۂ انوار و تجلیات کے اس عظیم الشان موقع پر نبی کریم ﷺ کے کامل ادب اور استقامت کا یہ عالم تھا کہ نگاہ اپنے مطلوب سے ایک بال برابر بھی نہ ہٹی۔ مفسرین نے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ کے مشاہدات کا موازنہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جلوے کی تاب نہ لا کر بیہوش ہو کر گر پڑے تھے، جبکہ سرکار ﷺ نے استقامت کے ساتھ نظارہ کیا اور نہ آنکھ بھٹکی نہ حد سے تجاوز کیا۔ یہی فرق» دیدار «اور» دیدار میں استحکام «کا فرق ہے۔ صاحبِ ضیاء القرآن اس نکتے کو بھی اجاگر کرتے ہیں کہ» ما طغیٰ «سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے وہ کچھ دیکھنے کی کوشش نہیں کی جس کی اجازت نہ تھی؛ ادبِ بارگاہ کا تقاضا یہی تھا کہ جس قدر دکھایا جائے اسی پر اکتفا کیا جائے۔

اس آیت کا ایک اہم مضمون وحی کی عصمت اور واقعے کی صداقت کا ثبوت بھی ہے۔ سورت کا آغاز ہی اس دعوے سے ہوا تھا کہ» وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ «اور» مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ«۔ جب نہ دل نے جھوٹ بولا، نہ آنکھ بھٹکی، نہ حد سے بڑھی، تو تمام گزارشات یعنی آنکھ، دل اور بیان، وحی کی حفاظت میں متفق ہو گئے۔ یہ آیت 17 دراصل اسی سلسلے کی کڑی ہے کہ معراج کا پورا واقعہ ایک ایماندار مشاہدے کی رپورٹ ہے، خواب یا خطِ نظر کا دھوکا نہیں۔ ضیاء القرآن میں یہ بحث بھی ملتی ہے کہ اس آیت نے ان لوگوں کے اشکال کا جواب دیا جو واقعۂ معراج کو عقلی

شبہات کی نذر کرتے تھے؛ نگاہ کا نہ بھٹکنا اس بات کی دلیل بنا دیا گیا کہ دیکھنے والا اپنے حواس کے پورے شعور کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔

آیت 18: آیاتِ کبریٰ کا مشاہدہ اور رؤیت کا مسئلہ

آیت 18 میں فرمایا گیا» :لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ «یعنی آپ ﷺ نے اپنے رب کی بڑی بڑی) یا سب سے بڑی (نشانیاں دیکھیں۔ ان آیاتِ کبریٰ میں حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی حقیقی صورت میں دیکھنا، سدرۃ المنتہیٰ، جنۃ الماویٰ، انبیاء و فرشتوں سے ملاقاتیں، بیت المعمور اور قربِ الٰہی کے وہ نظارے شامل ہیں جن کی تفصیل معراج کی طویل احادیث میں آئی ہے۔ لامِ تاکید اور» قد «کے استعمال سے بات کو حتمی و یقینی انداز میں بیان کیا گیا ہے تاکہ کسی تردد کی گنجائش نہ رہے۔ صاحبِ ضیاء القرآن نے اس مقام پر مشہور اختلافی مسئلہ یعنی» کیا نبی کریم ﷺ نے شبِ معراج اللہ تعالیٰ کی رؤیت) دیدار (فرمائی؟ «پر مفصل اور متوازن بحث کی ہے۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بھی نقل کی ہے جن کا موقف یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے نہیں دیکھا بلکہ جبریل کو دیکھا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف بھی جن کے نزدیک دیدار ثابت ہے، اور پھر دونوں روایات کے درمیان تطبیق کی صورتیں بیان کرتے ہوئے علماء کے مختلف اقوال احترام کے ساتھ پیش کیے ہیں۔ یہ تطبیقی اور معتدل اسلوب ضیاء القرآن کی پہچان ہے کہ مفسر اختلافی مسائل میں بھی فرقہ وارانہ جھکاؤ کے بجائے محققانہ توازن برقرار رکھتا ہے۔

ان آیات کے مجموعی مضامین کو سمیٹا جائے تو پانچ بڑے نکات سامنے آتے ہیں :اول، معراج اور سدرۃ المنتہیٰ کی حقانیت جہاں نبی کریم ﷺ کو وہ قرب نصیب ہوا جو کسی اور کو نہیں ہوا۔ دوم، نبی کریم ﷺ کی عصمت اور صدقِ مشاہدہ کا اعلان۔ سوم، ادبِ رسالت کا اعلیٰ ترین نمونہ کہ نگاہ نے نہ ادھر ادھر دیکھا نہ حد پھلانگی۔ چہارم، اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کبریٰ یعنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ جو انسان کی معرفت کی تکمیل ہے۔ پنجم، اس امت کے لیے پیغام کہ قربِ الٰہی کا راستہ ادب، استقامت اور اپنے مقام پر پابندی سے ملتا ہے، تجسس اور حد سے تجاوز سے نہیں۔ ضیاء القرآن کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ان مضامین کو صرف لغوی بحث تک محدود نہیں رکھتی بلکہ اسلوبی خوبصورتی، احادیث کی روشنی اور روحانی ذوق کے ساتھ قاری کے دل تک پہنچاتی ہے۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ سورۂ نجم کی آیات 16 تا 18 واقعۂ معراج کے عروج کی ترجمانی کرتی ہیں :سدرہ پر انوار کا چھانا، نگاہِ مصطفیٰ ﷺ کا بے مثال ادب و استقامت، اور آیاتِ کبریٰ کا یقینی مشاہدہ ان کے مرکزی مضامین ہیں۔ تفسیر ضیاء القرآن نے ان آیات کی تشریح میں لغت، حدیث، موازنہ اور اعتدال کو یکجا کر کے قاری کو نہ صرف مفہوم سمجھایا ہے بلکہ معراج کی عظمت کا احساس بھی دلایا ہے۔ طالبِ علم کے لیے ان آیات سے حاصل ہونے والا درس یہ ہے کہ اللہ کے قرب کا اصل سرمایہ ادب ہے، اور جس نے مقام و مرتبے کے ادب کو ملحوظ رکھا اسے بڑی سے بڑی نشانیاں بھی دکھا دی جاتی ہیں۔

سوال نمبر :5 سورۂ جمعہ کی آیات 5 تا 10 کی تفسیر -- معارف القرآن) از مولانا محمد شفیع (کی روشنی میں، اور چیدہ چیدہ فضائل و اخلاق 20) نمبر(

سوال نمبر5 ۔ سورہ الجمعہ کی آیت 5) تا (10 کی تفسیر) معارف القرآن از مولانا محمد شفیع (کی روشنی میں کیجئے نیز چیدہ چیدہ مذکورہ فضائل اخلاق پر روشنی ڈالیں۔(20)

تعارف

سورۂ جمعہ قرآن مجید کی باسٹھویں سورت ہے، یہ مدنی سورت ہے اور اس کی گیارہ آیات ہیں۔ اس کے پہلے چار آیات میں بعثتِ نبوی ﷺ کے مقاصد اور امت کی تربیت کا نقشہ پیش ہوا ہے، آیت 5 سے 8 تک یہود کی غفلت اور موت سے فرار کی حقیقت بیان ہوئی ہے، اور آیت 9 و 10 میں نمازِ جمعہ کا حکم اور اس کے بعد رزق کی تلاش کی ہدایت دی گئی ہے۔» معارف القرآن «حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ) وفات1976 ء (کی عظیم اردو تفسیر ہے جس کی نمایاں خصوصیت آیات کی تشریح کے بعد» معارف و مسائل «کے عنوان سے علمی، فقہی اور اخلاقی فوائد کا استخراج ہے۔ اس جواب میں آیات 5 تا 10 کی تفسیر معارف القرآن کی روشنی میں پیش کی جائے گی اور ساتھ ہی ان آیات میں مذکور اہم فضائل و اخلاق کو الگ سے نمایاں کیا جائے گا۔

آیت 5 کی تفسیر :علم بے عمل کی مثال

آیت» :5 مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا «یعنی» جن لوگوں کو تورات کا ذمہ دار بنایا گیا پھر انہوں نے اس کی) عملی (ذمہ داری نہ اٹھائی، ان کی مثال گدھے کی سی ہے جو بڑی بڑی کتابیں لادے ہوئے ہو«۔ معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہودِ بنی اسرائیل کو تورات کی امانت سونپی گئی تھی اور اس میں نبی آخر الزماں ﷺ کی صفات اور احکام واضح تھے، مگر انہوں نے نہ خود عمل کیا، نہ حق کو چھپانے سے رکے، بلکہ تحریف و تعصب کا شکار ہو گئے، تو ان کا علم ان کے لیے ایسا ہی بوجھ بن گیا جیسے گدھے پر لدی کتابیں؛ گدھے کو ان کتابوں کے وزن کے سوا کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ مفتی صاحب اس مثال کو صرف یہود تک محدود نہیں رکھتے بلکہ ایک ہمہ گیر اصول کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ جو مسلمان بھی قرآن کا علم حاصل کرے مگر اس پر عمل نہ کرے، اس کا حال اسی مثال کے مصداق ہوگا، بلکہ اس امت کے لیے وعید زیادہ سخت ہے کیوں کہ اسے کامل ترین کتاب ملی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں معارف القرآن کی عملی و اخلاقی نگاہ واضح ہوتی ہے۔

آیات 6 تا 8 کی تفسیر :ولایت کا دعویٰ اور موت کی حقیقت

آیت 6 میں یہود کے اس دعوے کا رد ہے کہ وہی اللہ کے ولی اور محبوب ہیں اور دیگر اقوام جہنمی ہیں» :قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِن زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ مِن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ «یعنی اگر واقعی تم اللہ کے ولی ہو تو موت کی تمنا کرو کیوں کہ ولی تو اپنے محبوب سے ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے۔ آیت 7 میں فرمایا گیا کہ یہ لوگ اپنے اعمال کی وجہ سے ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے، کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ آگے کیا انجام ہے، اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ معارف القرآن میں اس استدلال کو» امتحانِ دعویٰ «قرار دیا گیا ہے :دعویٰ سچا ہو تو اس کی علامت ظاہر ہوتی ہے، جھوٹا دعوے دار آزمائش سے بھاگتا ہے۔ آیت 8 میں موت کی ناقابلِ فرار حقیقت بیان ہوئی» :قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ «یعنی جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تمہیں مل کر رہے گی، پھر تم اسی ذات کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ و ظاہر سب جانتا ہے اور وہ تمہیں تمہارے اعمال سے آگاہ کر دے گا۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ آیت انسان کی سب سے بڑی غفلت کا علاج ہے :مال و جاہ کی

دوڑ میں انسان موت کو بھول جاتا ہے، حالانکہ موت فرار کرنے والے کو بھی پا لیتی ہے؛ عقل مندی اس میں ہے کہ فرار کے بجائے تیاری کی جائے۔

آیات 9 و 10 کی تفسیر: جمعہ کا حکم اور رزقِ حلال کی جستجو

آیت 9: «يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ» یعنی اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف جلدی سے چلو اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ معارف القرآن میں نمازِ جمعہ کے اہم مسائل اس آیت کے ضمن میں بیان ہوئے ہیں: جمعہ فرضِ عین ہے اور جمہور فقہاء کے نزدیک نمازِ ظہر سے بھی زیادہ مؤکد ہے؛ اذانِ اول سنتے ہی کاروبار چھوڑنا واجب ہو جاتا ہے اور اس کے بعد کی خرید و فروخت گناہ ہے؛» فاسعوا «کے معنی دوڑنا نہیں بلکہ قصد و اہتمام سے چلنا ہے کیوں کہ نماز کی طرف دوڑنا احادیث میں منع ہے اور سکینت و وقار کے ساتھ آنا مسنون ہے۔ آیت 10 میں فرمایا گیا: «فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ» یعنی جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (رزقِ حلال) تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اس آیت کو دین و دنیا کے توازن کی عظیم دلیل قرار دیتے ہیں کہ اسلام نے نہ رہبانیت سکھائی جس میں دنیا چھوڑ دی جائے، نہ مادیت جس میں دین فراموش ہو جائے، بلکہ عبادت کے وقت عبادت اور کسب کے وقت کسب، مگر دونوں میں زبان و دل اللہ کی یاد سے تازہ رہے۔ نماز کے بعد انتشار کا حکم اباحت کے درجے میں ہے، مقصود تجارت کی ترغیب بھی ہے اور یہ اصول بھی کہ بازار کی گہما گہمی میں ذکرِ الٰہی کثرت سے ہوتا رہے۔

مذکورہ فضائل و اخلاق

ان آیات میں جو فضائل و اخلاق چیدہ چیدہ مذکور ہوئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔ پہلا فضیلہ: علم پر عمل کی فضیلت اور علم بے عمل کی مذمت؛ قرآن کی نظر میں صاحبِ فضیلت وہ عالم ہے جس کا عمل اس کے علم کی گواہی دے، ورنہ علم بارِ گراں بن جاتا ہے۔ دوسرا فضیلہ: جھوٹے دعووں سے پرہیز اور صداقت؛ اللہ کے ولی ہونے کا دعویٰ زبان سے نہیں، آخرت کی تیاری اور موت کی مثبت تمنا یعنی اس سے فرار کے بجائے آمادگی سے ثابت ہوتا ہے۔ تیسرا فضیلہ: موت کی یاد اور

آخرت کی فکر، جو انسان کو ظلم، حرام خوری اور غفلت سے بچاتی ہے؛ آیت 7 میں ظالموں کے لیے تنبیہ اسی حقیقت کو اجاگر کرتی ہے۔ چوتھا فضیلہ :نمازِ جمعہ کا اہتمام اور دنیوی مشغولیات پر دین کی ترجیح؛ جو کاروبار اذانِ جمعہ پر فوراً بند کر سکتا ہے وہی ترجیح اصل ایمان کی کسوٹی ہے۔ پانچواں فضیلہ :رزقِ حلال کی جستجو بطور فضلِ الٰہی؛ اسلام میں کسبِ معاش عیب نہیں بلکہ نیت درست ہو تو عبادت ہے۔ چھٹا فضیلہ :کثرتِ ذکر؛ بازار ہو یا مسجد، کامیابی» لعلکم تفلحون «اسی سے مشروط رکھی گئی ہے۔ ساتواں فضیلہ :دنیا و آخرت کا توازن، یعنی نہ دنیا کے لیے دین قربان کرنا اور نہ دین کے نام پر جائز دنیا کو چھوڑنا، یہ مزاج امتِ وسط کی پہچان ہے۔ ان سب فضائل کا مشترکہ نکتہ یہ ہے کہ ان آیات نے عقیدے، عبادت اور معاشرت کو ایک ہی اخلاقی نظام میں جوڑ دیا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ سورۂ جمعہ کی آیات 5 تا 10 میں پہلے علم بے عمل اور جھوٹے دعووں کی مذمت کے ذریعے امت کو آئینہ دکھایا گیا ہے، پھر موت کی اٹل حقیقت سے تیاری کا شعور دیا گیا ہے، اور آخر میں جمعہ کی نماز اور حلال کسب کے نظام کے ذریعے ایک متوازن عملی زندگی کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ معارف القرآن نے ان آیات کی تشریح میں فقہی مسائل کے ساتھ جو معارف نکالے ہیں ان کا مرکز یہی اخلاقی درس ہے کہ علم، دعویٰ، عبادت اور کمائی سب اسی وقت معتبر ہیں جب ان کے پیچھے عمل، اخلاص اور ذکرِ الٰہی موجود ہو۔ یہی اس مشق کا حاصل ہے۔